بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہمارے ملک کی فضا ایسی ہے کہ دنیا کی ہر سامراجی اور استحصالی قوت کی سازش یہاں چل رہی ہے۔ پہلے مارشل لا تھا تو پارٹیوں کی کالعدمیت کے دور میں بکھرے ہوئے افراد یا کم سے کم اپنے خاص اجتماعی پروگراموں سے فارغ شدہ لوگ اغیار کے لیے نرم چارہ تھے۔ ہر طرف جو بے چینی اور گھٹن مارشل لا جیسے نظام جبریت کی وجہ سے آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر باہر کی مخالفِ اسلام قوتوں نے زیرِ سطح خاموشی سے اس طرح کام کیا جیسے دنیا میں کڑے نظم کے ساتھ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہیروئن کا دھندا چلتا ہے۔ پھر جب مارشل لا اٹھ گیا اور ایک ایسی جمہوریت قائم ہوئی جس کی پارلیمانی چھت غیر جماعتی افراد پر کھڑی کی گئی۔ ہماری نوخیز جمہوریت جس کے تحت حکمران قوت کا رشتہ عوام سے ملانے کے لیے کوئی مضبوط پارٹی سسٹم موجود نہ تھا، باہر کی تخریبی قوتوں کے لیے اور زیادہ سازگار ثابت ہوئی اور انہوں نے ہمارے بعض نامور سیاسی خواص کو عوامِ پاکستان کا شکار کرنے کے لیے میدان میں اتارا اور وہ کھلم کھلا اس نیک کام میں لگ گئے۔

آج حالت یہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل، روس اور بھارت سبھی کے لیے میدانِ تگ و تاز یہاں کھلا ہے۔ قادیانی اپنا کام کر رہے ہیں۔ کمیونسٹ اپنی جگہ مصروف ہیں اور بعض دوسرے خاص خاص گروہ اپنے اپنے اُلو سیدھے کر رہے ہیں۔

"کیا عجب دیار ہے" کہ بم مارنے کی باتیں ہوتی ہیں، مسلح تیاریوں کی دھمکیاں دی جاتی ہیں، کالفداریش کے مصرع طرح پر دو غزلے کہے جاتے ہیں اور ایوانِ مملکت کے ۸ کروڑ سامعین کو سنائے جاتے

ہیں، کوئی شمال سے اور کوئی جنوب سے اپنے دوستوں کو بُلا لانے کا پروگرام بیان کر رہا ہے، ایک صاحب پہلے بتا چکے ہیں کہ انہوں نے اندرا گاندھی سے درخواست کی تھی کہ وہ پاکستان پر حملہ کر دے، اب وہی صاحب اس دل پسند تصوّر سے اظہار مسرت کرتے ہیں کہ پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ کبھی پنجاب کے خلاف، کبھی کالا باغ ڈیم کے خلاف، کبھی مہاجرینِ افغانستان کے خلاف، بلکہ عین عہدِ افغانستان کے خلاف تقریروں اور بیانوں اور انٹرویوز میں ارشاداتِ عالیہ سامنے آتے ہیں۔

کبھی اس بات پر زور کہ مارشل لا گیا نہیں بلکہ نئی قائم شدہ جمہوریت اس کے لیے آڑ کا کام دے رہی ہے۔ کبھی یہ کہ انتخاب چونکہ غیر جماعتی تھے اس لیے ایوان نمائندہ نہیں ہیں۔ ہم ایسی جمہوریت کو کبھی نہ چلنے دیں گے۔ ہمارا ہدف تو نئے انتخابات ہیں۔ بیچ میں یہ آواز بھی آجاتی ہے کہ ہمیں نیا دستور چاہیے، کیونکہ ۱۹۷۳ء کا دستور تو ختم ہو چکا۔

کیا ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی طرح طرح کی گرم اور سرد رَووں کے ہوتے ہوئے کوئی ملک تعمیری راستے پر آگے بڑھ سکتا ہے، بلکہ کیا وہ سلامت بھی رہ سکتا ہے۔

بعض لوگ بھانت بھانت کی بولیوں کو سن کر کہتے ہیں کہ یہ ہے اگر جمہوریت تو الامان والحفیظ۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں سیاست میں جذباتی پن تو بہت ہے، فکر و شعور کا عنصر بہت کم ہو گیا ہے۔ اختلافات بے شمار ہیں۔ وحدت و اتحاد کی بات کرنے والا کوئی نہیں۔ اختلاف حکومت سے ہوتا ہے اور زد پہ رکھ لیا جاتا ہے پاکستان اور مفاد پاکستان کو۔ پچھلے چند ماہ کی تمام تقریروں اور بیانات اور مذاکروں کے اقتباسات ایک ایک لیڈر کے کھاتے میں الگ الگ درج کیجیے اور پھر سب کو پڑھ کر دیکھیے اور رائے قائم کیجیے کہ ان ارشادات میں کتنی گہرائی ہے ــ؟ سوچ میں کتنی وسعت ہے؟ کیا ان حضرات کی نگاہوں میں اسلام اور پاکستان کے تقاضے برتر ہیں؟

ہمارے ہاں منفی سیاست بڑی مروّج و مقبول ہے۔ کسی حکومت کی مخالفت، کسی جماعت کی مخالفت کسی لیڈر کی مخالفت، کسی پروگرام کی مخالفت۔ مگر دوسری طرف کوئی مثبت نظریہ اور پروگرام نہیں۔ عوام کی تعلیم و تربیت کا کوئی نقشہ نہیں۔ قوم کی فکری اور اخلاقی اُٹھان کے لیے کوئی لائحہ عمل نہیں،

بس کسی کی مخالفت کرنا اور کسی کو گرانا اصل سیاست ہے اور پھر اگر اس کی جگہ خود نہ آسکیں تو پھر دوسرے کو گرانے کے پروگرام اور اس کے لیے آتشیں تقریریں۔

کئی لیڈروں نے کتابیں بھی لکھیں، مگر کسی نے اپنی پسند کے نئے نقشۂ زندگی اور نئے نظامِ سیاست کا کوئی ڈھانچہ آج تک پیش نہیں کیا۔ جو نعرہ بازی تقریروں میں ہوتی ہے، وہی ذرا بہتر شکل میں کتابوں میں آگئی۔ گزرے ہوئے حکمرانوں اور لیڈروں اور پارٹیوں کے خلاف کہانیاں اور سیاسی معاصرین کے خلاف طنز و تعریض۔ کچھ اپنے متعلق قصائد اور کچھ اپنی کہی ہوئی باتوں کی نئی وضاحتیں اور اور اپنے سابق اقدامات کی صفائی میں پیش کردہ توجیہیں!

واللہ کیا شاندار سیاست ہے!

ستم یہ ہے کہ اخبارات جو قوم کے پیسے سے چلتے اور قومی مفاد کے نگہبان اور عوام کے سچے معلم ہوتے ہیں۔ انہوں نے خالص کاروباری نقطۂ نظر اختیار کرنے کے بعد معیار یہ بنالیا ہے کہ عوام کیا پسند کرتے ہیں۔ عوام چٹ پٹا پن پسند کرتے ہیں، سیاسی رسّہ کشی پسند کرتے ہیں، تیز نوکیلے کاٹ دار فقرے پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ہی حلقوں اور کیسے ہی لوگوں سے ملیں وہ اُن کو اُبھار کر لاتے ہیں پہلے ایک نازک مرحلے میں پریس اور بعض سیاسی اکابر نے مل کر مجیب کا غبارہ ہوا میں اتنا اونچا اُڑایا کہ تمام لوگوں کی نظریں اس پر مرتکز ہوگئیں۔ نتیجہ ظاہر۔ اب پھر اس منڈی میں مجیب کی طرح کے افراد کی مانگ ہے۔

کسی محبِ دین و وطن کے لیے یہ حالات کتنے اذیت ناک ہیں۔

اِدھر بدقسمتی سے حکومت بھی ایسی مجبوریوں اور پیچیدگیوں کے درمیان گھری ہوئی ہے کہ جس کا جو جی چاہے کہتا رہے اور جس کا جو جی چاہے کرتا رہے، وہ بالکل اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

پہلی کمزوری تو یہی ہوئی کہ غیر جماعتی انتخابات کرنے کے بعد ضرورت نے مجبور کیا تو پارٹی گورنمنٹ کا ایسا ڈھانچہ بنانے کی کوشش کی گئی جس میں رُوحِ قوت پوری طرح کام نہیں کر رہی۔

دوسری کمزوری یہ کہ نئی حکومت نے عوام کے ذہنی رجحانات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی چاہت کے مطابق چند ٹھوس، مؤثر اور محسوس و مطلوب کام کر دکھانے میں کوتاہی برتی، کوتاہی کیا وہ اس سے

گریزاں ہے۔ باقی کام نورہے الگ، دستوری ترمیم میں کتاب وسنت کی بالادستی کی جو شق ایک بار اجمالاً منظور بھی کی جا چکی ہے اُسے اب کتابِ آئین کا باقاعدہ جزو بنانے میں لیت ولعل سے کام لیا جارہا ہے۔

تیسری کمزوری یہ ہے کہ بیرونی مداخلتوں، اثر اندازیوں، سازشوں اور پروپیگنڈے کے حملوں کا توڑ کرنے کے لیے جن ظاہری اور خفیہ تدابیر کی ضرورت ہے وہ پوری طرح بروئے عمل نہیں آسکی ہیں۔

نہ ملک کی سیاسی لیڈرشپ کسی پسندیدہ ملک یا قوت کے ساتھ میل جول رکھنے سے اپنے شہریوں کو باز رکھ سکی۔ کوئی غیر ملکی سفیروں سے معاملہ رکھتا ہے، کوئی باہر جاکر جس حکومت یا فرد سے چاہے رابطہ کرتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی حدود نہیں، کوئی ریکارڈ نہیں۔

چوتھی کمزوری یہ ہے کہ وہ ماہرینِ کار کی ایک بھاری ٹیم اور پروپیگنڈا کے وسیع ذرائع اور ابلاغی اداروں پر اثر انداز ہونے کی قوت رکھنے کے باوجود اپنا امیج بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی حالانکہ آج ضرورت ایک ایسی حکومت کی تھی کہ اس کے کارناموں، اس کے معیارات، اس کے رابطۂ عام اور اس کے امیج کی طاقت کسی کو یہ موقع نہ دیتی کہ وہ اس کی مخالفت کے نام پر ملک کے وجود، اس کے مفاد اور اس کی سوچی سمجھی پالیسیوں کے خلاف زبان کھول سکے۔

پانچویں کمزوری یہ ہے کہ حکومت اتنی قوت نہیں رکھتی کہ وہ سابق جبری اور مستبدانہ طریقوں سے ذہن کو بالکل پاک رکھتے ہوئے اپنے ایوان سے کوئی ایسا صاف اور منصفانہ قانون وضع کرا سکے جس کی رُو سے اسلام یا پاکستان کے خلاف منافرت انگیزی، قومی وحدت کو ضرر رسانی بیرونی قوتوں کے حملوں یا ان کی سازشوں اور مخالفِ اسلام و مخالف پاکستان پالیسیوں کی حمایت جیسے معاملات عدالت کے سامنے جائیں اور دستاویزات اور شہادتوں کے ذریعے اگر کوئی جرم کسی پر ثابت ہو جائے تو اُسے اس درجہ کی عبرت ناک سزا ملے کہ مزید وبائے عام نہ پھیل سکے۔

کمزوریوں کے ان وجوہ کے ہوتے ہوئے حکمران لیڈر پراگندہ خیالی اور تخریبی رجحانات کا سارا تماشا دیکھتے ہیں اور دم نہیں مار سکتے۔

ان احوال کو دیکھ دیکھ کر اپنے دل و جگر میں تشویش و اضطراب کے کانٹوں کی چبھن زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ خیال آتا ہے کہ مملکت کی تشکیل کس لیے ہوئی تھی؟ قوم کے ارمان کیا تھے؟

اکابر کے دعاوی اور ان کی تعلیمات کیا تھیں؟ قربانیاں کس جذبے سے دی گئیں، بعد میں ہوا کیا اور اب جن سیاست کاروں کے ہاتھ میں میدان ہے وہ کیا کارنامے انجام دے رہے ہیں؟ سوچنے سوچتے آخر یوں محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل کی ذمہ داری کا زیادہ تر بوجھ خود اپنے ہی سر ہے۔

ہمارے کرنے کا بنیادی کام یہ ہے کہ ہم اپنے خواص وعوام کو توحید کی دعوت دیں۔ ان کے سامنے اقامتِ دین کا مقصد رکھیں اور اس مقصد کے لیے انہیں تیار کریں کہ وہ خود اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ سارے معاشرے میں اسی پیغام کو آگے پھیلائیں۔

ہمیں تحریر اور تقریر کے علاوہ انفرادی سطح پر بات کرکے اپنے اپنے حلقہ ہائے ربط میں تعمیری سیاست اور تعمیر پسند قیادت کا صحیح اسلامی تصور پھیلانا چاہیے۔

بطور خاص یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دوسروں کی مار چونکہ صرف تقاریر اور اخباری بیانات تک ہے، اس لیے اگر انفرادی رابطوں کے ذریعے ہر سطح پر تحریک اسلامی کے کارکن اصولی و تعمیری سیاست کا شعور پیدا کرنے کی مہم میں لگ جائیں تو ایک سال کے عرصے کا زوردار کام بھی بہت نتائج پیدا کرسکتا ہے۔

ہمارے لیے کامیابی کی مشکل شرط یہ ہے کہ ہم لوگ دوسروں کی اُٹھائی ہوئی غلط رَو میں بہنے سے پرہیز کریں، غلط الفکر عناصر کے ٹیڑھے انداز گفتگو کو نہ اپنائیں۔ اور نہ کسی کی "حمایت برائے حمایت" اور نہ "مخالفت برائے مخالفت" کریں، جو چیز بھی سیاست میں مروج و مقبول ہوتی نظر آئے، اپنے پچھلے اور موجودہ موقف کو بھول بھلا کر اُس نئی چیز کا علم نہ اُٹھا لیں یا اپوزیشن لیڈروں کی زیادہ تعداد جدھر جا رہی ہو، اُدھر ہی نہ چل دیں۔

ہم اپوزیشن میں تو ہیں، مگر اپنے دینی اُصولوں کی بنیاد پر اور اپنے تعمیری مقاصد کے لیے۔ پس ہمارا تحریکی وجود فضا میں بہت ممتاز اور نمایاں رہنا چاہیے۔